03

متعلقہ سوال کا جواب صرف مختص کردہ جگہ پر اور بیرونی نشان کے اندر دیا جائے۔

22469243

سوال نمبر2(الف)۔۱ ایک رات باپ کسی کام سے بستر سے اٹھا اور باہر گیا تو سرد اور تند ہوا تیر کی طرح اس کے ~~ہیں~~ سینے میں اتر گئی جس کی وجہ سے اسے نمونیہ ہو گیا۔

سوال نمبر2(الف)۔۲ بیماری کے دوران گھر والوں نے باپ کا بے حد خیال رکھا بیٹوں نے بہتیرے علاج معالجے کرائے اور بیوی اور بہو دن رات اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں مگر افاقہ نہ ہوا۔

سوال نمبر2(الف)۔۳ مکان کی صفائی کے دوران پرانے اسباب کا جائزہ لیتے وقت ایک بوری سے بیٹے کو وہ کتبہ ملا جس پر اس کے والد کا نام رقم تھا

04

The relevant question should be answered only in the allotted space and inside the outer mark

22469243

سوال نمبر 2 (الف)۔۴ کتبے پر نظر پڑتے ہی عجیب حالت ہوگئی باپ کا نام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور وہ ایک محویت کے عالم میں اس پرخطاطی و نقش و نگار کو دیکھتا رہا۔

سوال نمبر 2 (الف)۔۵ کتبہ دیکھتے وقت بیٹے کے دل میں اچانک ایک خیال آیا جس نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کردی۔ اگلے روز وہ کتبے کو ایک سنگ تراش کے پاس لے گیا اور عبارت میں تھوڑی سی ترمیم کروانے کے بعد پھر اسی شام اسے اپنے والد کی قبر پر نصب کردیا۔

سوال نمبر 2 (الف)۔۶

05

متعلقہ سوال کا جواب صرف مختص کردہ جگہ پر اور بیرونی نشان کے اندر دیا جائے۔

22469243

سوال نمبر 2 (الف)۔ 7 باپ کو خوشبہ نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ گھر کی صفائی کے دوران بڑے بیٹے کو کتبہ ملا جس پر اس کے باپ کا نام رقم تھا۔ بیٹے نے باپ کی النست میں کتبے کی عبارت میں ترمیم کروائی اور پھر اسے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

....

سوال نمبر 2 (ب)۔ 1 نظم کے مطابق اہلِ وطن اپنے نوجوانوں کی تیز دھار تلوار پر فخر کرتے ہیں جو دشمنوں کے خلاف ایمان کی طاقت سے چلتی ہے۔

....

سوال نمبر 2 (ب)۔ 2 وطن کے عروج و زوال کا انحصار اس کے نوجوانوں پر ہوتا ہے جو کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور ان کی خودی پر وطن کی عزت کا انحصار ہوتا ہے۔

06

The relevant question should be answered only in the allotted space and inside the outer mark

22469243

سوال نمبر 2(ب)۔۳ مسلح افواج میں عشق کا جذبہ ، اپنی سرزمین سے الفت اور اس پر قربان ہونے کی لگن انھیں حرکت و عمل پر آمادہ رکھتی ہے۔ وہ ایمان کی طاقت اور دل کے جذبے سے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے سربکف رہتے ہیں۔

سوال نمبر 2(ب)۔۴

سوال نمبر 2(ج)۔۱ آدابِ عشق کا تقاضہ ہے کہ چاہے محبوب آپ کو جتنی بھی تکالیف دیتا ہے آپ نے کبھی اپنی زبان پر شکایت نہیں لانی اور لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ نہیں کرنا کیونکہ اس سے محبوب کے مقام و مرتبہ پر اثر ہوتا ہے۔

سوال نمبر 2(ج)۔۲ شاعر کا بھری دنیا میں دل اس لیے نہیں لگتا کیونکہ اسے اپنے اندر ایک کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے اندر کسی شے کی خلش ہے جس کا پر ہونا ابھی باقی ہے۔

سوال نمبر 2(ج)۔۳ شاعر نے اس بات پر حیرت نہیں کی جو آج کل ہو رہا ہے کیونکہ اس کے مطابق اس نے پہلے ہی آنے والے حالات کا اندازہ لگا لیا تھا اس لیے اب اسے موجودہ حالات حیرت میں نہیں ڈالتے۔

سوال نمبر 2(د)۔۱ **صنعت تفریق:۔** کلام میں جو چیزوں کے درمیان فرق واضح کرنے کو صنعتِ تفریق کہتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ میں لکھا ہے

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

08

The relevant question should be answered only in the allotted space and inside the outer mark

22469243

سوال نمبر 2(د)۔۲

امدادی فعل

الف ⇐ دو (دینا)

ب ⇐ اٹھا (اٹھنا)

ج ⇐ لیا (لینا)

سوال نمبر 2(د)۔۳

قافیہ ⇐ . رسائی - جدائی - خدائی

ردیف ⇐ * کا

الف

حوالہ:-
سبق کا نام:- منظور
تشریح:-
اختر کو بیماری کی حالت میں جب ہسپتال لایا گیا تھا تو ڈاکٹروں نے اس کے علاج کی بہت کوشش کی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس کا بچنا ناممکن ہے چنانچہ اسے وارڈ میں منتقل کر دیا۔ اس کے ساتھ والے بستر پر ایک لڑکا تھا جس کا نام منظور تھا۔

اس کا دھڑ مفلوج تھا تو اس کا علاج بھی ممکن نہیں تھا۔ منظور زندگی سے بھرپور لڑکا تھا۔ اپنی اس حالت کے باوجود بھی خوش رہتا اور دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹ لانے کی وجہ بنتا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسروں کو خوش دیکھ کر اس کا اپنا غم بھی کسی قدر کم ہو جاتا تھا

رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ بھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے۔

اختر دوسری طرف زندگی سے تنگ آچکا تھا۔ اس کی زندگی دکھوں اور غموں کی عبارت تھی۔ اس نے جینے کی امید ہی چھوڑ دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں بچے

سوال نمبر3 (صفحہ نمبر 2/4) طرح سے لکھ رکھا تھا

لکھنا مرے مزار کے کتبے پہ یہ حروف
مرحوم زندگی کی حراست میں مر گیا

لیکن جب اختر نے دیکھا کہ منظور کیسے اپنے غم کے ایام میں بھی خوش رہتا ہے تو وہ بہت متاثر ہوا۔ اس کے دل میں منظور نے اپنی جگہ بنا لی تھی اور اسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

منظور کی ذات نے اسے زندگی کی ایک خوبصورت تصویر دکھائی جسے دیکھنے سے وہ قاصر تھا۔ اس نے اسے مشکلات میں بھی مسکرانے کا ہنر سکھایا۔ اور دل برداشتہ ہونے سے بچایا۔ منظور سے دوستی کی وجہ سے اختر کے دل میں جینے کی آس پیدا ہوئی اور وہ منظور سے بے حد محبت کرنے لگا۔

اب اختر کی طبیعت بہتر ہو رہی تھی اور ڈاکٹر حیران و پریشان تھے کہ یہ کیسے ہو گیا۔ یہ تو ناممکن تھا۔ اس کی موت یقینی تھی۔ وہ تو اسے معجزہ سمجھ رہے تھے۔ لیکن اختر تو جانتا تھا کہ اس کی نئی زندگی منظور کی مرہون منت ہے۔ منظور نے دراصل اس کی جان بچائی تھی۔

اب منظور کی ذات اختر کے دل میں ایک مسیحا کا رتبہ رکھتی تھی۔ کہ جس نے اس کے دل سے زندگی کی مایوسیوں کو دور کیا۔ اسے زندگی ایک نعمت کی شکل

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 3/4) کر کرنا ہے۔

؎ حوادث سے الجھ کر مسکرانا مری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

منظور نے اس کی ناامیدی کو امید میں بدل دیا تھا اور اُسے اس کفر سے بچا لیا تھا کیونکہ قرآن کے مطابق ناامیدی کفر ہے اور اللہ ~~ ~~ کہتا ہے کہ اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا۔

"لاتقنطو من الرحمت اللہ"

"اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا"

گویا یہ منظور ہی تھا جس کی وجہ سے اب اختر چاہتا تھا کہ وہ زندہ رہے اور اسے منظور کی دعاؤں پر یقین بھی تھا۔ اختر چاہتا تھا اب وہ بالکل ٹھیک ہوکر ہسپتال سے نکلے اور نئی زندگی کا آغاز کرے۔ جوکہ صحت مند ہو اور محبت سے بھرپور ہو اور جس کی وجہ سے اپنے تمام ~~مقا~~ مقاصد حاصل کرے۔ گویا منظور کی ذات پوری طرح اس شعر کی عکاسی تھی کہ

؎ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

~~ ~~ اختر کی دلی خواہش تھی کہ اس کا محسن منظور بھی جلد ٹھیک ہوجائے لیکن اس کی یہ آرزو نہ پوری ہوئی اور جس دن اختر کو ہسپتال سے جانا تھا اسی

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 4/4)

ہمیشہ رہنے والا زخم چھوڑ گیا۔ وہ اس ادا سے گیا کہ
سب کو اپنے نقصان کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک
مسیحا سے محروم ہو گئے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
وہ اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1/4) جواب

حوالہ بند:-

نظم کا نام:- مناظرِ سحر

تشریح:-

یہ بند نظم مناظرِ سحر سے لیا گیا ہے جس میں شاعرِ فطرت نے ~~[illegible]~~ نہایت ہی احسن انداز سے صبح کے حسین منظر کو حسین تر بنا کر پیش کیا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ صبح کا منظر اس قدر حسین ہوتا ہے کہ آنکھ اسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہر طرف رنگ برنگ پھول نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ باغ میں جب کلیاں چٹک کر پھول بن جاتی ہیں تو دل کو وہ ٹھنڈک ملتی ہے جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ پھولوں کی خوشبو اور رونق پورے چمن کو مہکا دیتی ہے اور رنگ برنگ کے پھول ایسا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں کہ جیسے پریاں لباس میں اتر آئی ہوں۔ اس منظر کو دیکھ کر علامہ اقبال بھی بے اختیار بول اٹھے کہ

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

شاعر مزید کہتا ہے کہ چاند کی مدھم اور ٹھنڈی

سوال نمبر4 (صفحہ نمبر 2/4) سمندر بھی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور اپنی موجوں کے ذریعے یہ خوشی سب کو ظاہر کر رہا ہے۔ گویا منظر اس قدر حسین ہے کہ جنت کا سماں پیش کر رہا ہے۔

کیا روح فزا جلوہ رخسارِ سحر ہے
کشمیر دل زار ہے فردوس نظر ہے

دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ صبح کے وقت تارے جھلملا رہے ہوتے ہیں اور نیند کی وادیوں میں کھو جانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ان کی ٹھنڈک پہنچانے والی روشنی میں شبنم تمام گلوں کو غسل کرواتی ہے انھیں تازہ کر دیتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی حسین کے چہرے سے حسن ٹپک رہا ہو۔ پھول اس قدر خوبصورت لگتے ہیں کہ دل میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

یکایک ایک تازگی یکایک ایک روشنی
نگاہ جاں میں آ گئی حیات میں سما گئی

مزید شاعر کہتا ہے کہ صبح کی ہوا میں جب سبزہ جھوم رہا ہوتا ہے اور صبح کو خوش آمدید کہہ رہا ہوتا ہے تو انسان اس منظر کی خوبصورتی سے دم بخود رہ جاتا ہے۔ کھیت ایسے لہک رہے ہوتے ہیں کہ جیسے کسی پری کے کھلے ہوئے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوتے ہیں اور ہر دل عزیز ہوتے ہیں۔ سب اس

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 3/4) مناظر سے جو محروم ہو جائے تو پھر اس سے
بدنصیب کو کوئی نہ ہوگا۔ غرض ہر شے اس بات کا ثبوت
دے رہی ہوتی ہے کہ یہ سب کرنے والی کوئی نہ کوئی
ذات ضرور ہے جس کا جلوہ ہر چیز میں نمایاں ہے
صبح کا وقت اللہ کو ڈھونڈنے اور پانے کا وقت ہے۔
بقول شاعر

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

آخری شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ جب صبح کے
وقت ہوا کے چلنے کی وجہ سے شاخیں کھل جاتی
ہیں تو ایسا لگ رہا ہوتا ہے کہ جیسے وہ ایک
دوسرے سے گلے مل رہی ہوں۔ اس حسین منظر
پر اپنی خوشی اور مسرت کا احساس کر رہی ہوں اور
ایک دوسرے کو مبارک دے رہی ہوں۔ گویا کہ عید کا
سماں ہوتا ہے۔ جس طرح عید پر ہم لوگ اظہار خوشی
کے لیے ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اسی طرح شاخیں
بھی گلے مل رہی ہوتی ہیں یہ عید کا پیغام صبح
کی ٹھنڈی ہوا کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ
سب کو جیسے چیخ چیخ کر بتا رہی ہوتی کہ عید کا
دن ہے اور سب اس پر خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ
تمام کے تمام مناظر ذات باری تعالیٰ کی قدرت کے
عکاس ہوتے ہوتے ہیں اور چیخ چیخ کر پکار پکار

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 4/4) رات کو دن میں بدل رہا ہے۔ بقولِ شاعر

ہر اک جا ہے وجود تیرا
تمام اہلِ وجود تیرے
یہ خاک و باد یہ آب و آتش
ہیں تیرے شاہد شہود تیرے

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1/6)

سوال (الف)

حوالہ:-
شاعر:- احمد ندیم قاسمی
تشریح:-
پہلے شعر میں شاعر زندگی کی حقیقت کو واضح کرتا ہے اور کہہ رہا کہ موت آجانے سے میں ختم نہیں ہو جاؤں گا بلکہ ایک اس زندگی پاؤں گا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ موت کے بعد کچھ نہیں ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جائے گا اور بس یہی زندگی ہے تو شاعر ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب غلط خیالات ہیں۔ موت تو برحق ہے
"ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔"
سب نے مرنا ہے لیکن اس کے بعد دوبارہ اٹھنا بھی ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ جو کچھ دنیا میں کیا اس کے مطابق سب کو جزا اور سزا دی جائے گی اور سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ اس ~~حقیقت~~ حقیقت کو سمجھانے کے لیے شاعر ایک دریا کی مثال دیتا ہے جو جب سمندر میں گرتا ہے تو بظاہر تو اس کی موت ہو جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ خود کو سمندر کے عظیم وجود میں ضم کر لیتا ہے اور

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2/6)

موت کو سمجھتے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

اس کا ایک اور پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے لیکن اس کے افکار زندہ رہتے ہیں اور اس کی تعلیمات لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بن جاتی ہیں۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ اگرچہ میں مرجاؤں گا لیکن میری تعلیمات زندہ رہیں گی۔

جو انسان فنا سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ تیرے غائب تو رہتا ہے فنا ہوتا نہیں

دوسرے شعر میں شاعر ~~کہتے ہیں کہ~~ ایک عاشق کی بے چینی کا منظر کھینچتا ہے۔ اگر اس کو محبوب سے منسلک کریں تو شاعر محبوب سے کہتا ہے کہ میں تیرا در چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ میرا تو مرنا اور جینا دونوں تیری گلی میں ہیں اب۔ میری ہر چیز یہاں ہے اور ان کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ تیرا در ہی فقط میری زندگی کا سہارا ہے اور اگر مجھ سے تونے وہ بھی چھین لیا تو میں مرجاؤں گا اور کہیں کا نہیں رہوں گا۔ یا تو میں خود کو اپنے ہی گھر میں قید کرلوں گا اور مرجاؤں گا یا تو میں دیوانگی کی حالت میں صحرا میں جاکر ذروں کی

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3/6)

ہ تیرا در چھوڑ کے جانا کبھی نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا
دل نمبر کا ٹھکانہ کبھی نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔

اگر حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو شاعر اللہ سے کہتا ہے کہ اگر مجھ سے تیرا در چھوٹ گیا یعنی اگر اللہ سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا تو وہ کہیں کا نہ رہے گا۔ دنیا آخرت میں ناکامی اس کا مقدر ہوگی۔ اور وہ ایک گمنام ہو جائے گا۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ دربارِ الٰہی سے جڑا رہے اور اس کا یہ سہارا کبھی نہ ٹوٹے۔

ہ پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

آخری شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ آپ اس قدر وہ محبوب کے عشق میں ڈوب چکا ہے کہ اسے ہر جگہ وہی نظر آتا ہے ہر شخص میں اسے اپنے محبوب کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے وہ کہتا ہے کہ اگر میں تیرے در سے اٹھ بھی گیا اور تنہائیوں میں قید ہو بھی گیا تو اس کی یادیں شاعر کی تنہائی کو محفل کر دیں گی۔ اسے ایک پل کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گی اور محبوب کی یادیں اس کو زندہ رکھیں گی۔ شاعر اس پر کسی قدر خوش بھی ہے کہ

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 4/6)

یادوں کو کوئی چاہ کر بھی نہیں چھین سکتا۔ اس کو
ہر شے میں محبوب کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ بقول شاعر

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں کب ہات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

←——→

سوال نمبر5 (صفحہ نمبر 5/6)

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 6/6)

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1/3)

"کالج میں تقریب کی روداد"

جنھیں جستجوئے سکون رہی انھیں ساحلوں نے ڈبو دیا
انھیں کوئی موج بھی نہ چھو سکی جو تڑپ کے پار اتر گئے

انسان کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ وہ ہوتا ہے جب اسے اس کی محنت کا ثمر ملے اور وہ بھی سب کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہمارے کالج میں سالانہ امتحانات کے نتیجے آنے کے بعد انعامات کی تقریب رکھی گئی اور اس کے لیے ۹ جنوری ۲۳ کا دن مقرر ہوا۔

تقریب سے تین دن پہلے ہی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں اور تمام طلبہ اور اساتذہ نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ خیر ۹ جنوری کو سب ۱۰ بجے ہال میں جمع ہو گئے۔ مہمانِ خصوصی وزیرِ تعلیم شفقت محمود صاحب تھے۔ وہ 9:15 تک آ گئے تھے۔ پرنسپل صاحب بذاتِ خود انھیں لینے کے لیے گئے اور انھیں پھول دے کر خوش آمدید کہا گیا۔ ان کے داخل ہوتے ہی تالیوں کا شور اٹھا اور سب اپنی نشستوں سے اٹھ گئے۔ ان کے تشریف فرما ہونے کے بعد سب بیٹھ گئے اور ~~تقریب~~ تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

سب سے پہلے سال دوم کے شاگرد عبدالرحمان نے

سوال نمبر6 (صفحہ نمبر 2/3) سوگئی تھی۔ اس کے بعد حافظ حسن صاحب
نے نعت رسول ﷺ سے سب کے دلوں کو منور اور روشن
کیا۔

اس کے بعد پرنسپل صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور
اپنے طلبہ سے خطاب کیا جس میں ان کی محنت پر انھیں
مبارک باد دی اور آئندہ اور اچھا کرنے کی نصیحت کی
اور وزیرِ تعلیم کے سامنے کالج کے کچھ مسائل بھی سامنے
رکھے اور مسائل کے حل کے لیے پرعزم دکھائی دے رہے تھے۔
پرنسپل صاحب کی تقریر کے بعد وزیرِ تعلیم کو ~~اسیج~~ اسٹیج
پر دعوت دی گئی اور اس میز کے سامنے لایا گیا جہاں
انعامات رکھے گئے تھے۔ جن میں کتابیں، تمغے وغیرہ
شامل تھے۔ پرنسپل صاحب بھی انھی کے ساتھ موجود تھے۔

اس کے بعد انعام کے حقدار طلبہ کے نام پکارے
گئے اور باری باری انھیں اسٹیج پر مدعو کیا گیا۔ بچوں کی
خوشی ناقابلِ بیان تھی اور ان کے والدین تو اپنے بچوں
کو اسٹیج پر جاتا دیکھ ان پر فخر کر رہے تھے اور اللہ کا
شکر ادا کر رہے تھے۔

اسٹیج پر طلبہ کو انعام دیتے وقت وزیرِ تعلیم ان کے
سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور کچھ بات کرتے۔ البتہ وہ
سنائی تو نہیں دیتا تھا لیکن طالبِ علم کے چہرے سے
خوشی کا اظہار کسی سے چھپا نہیں تھا وہ اپنی محنت
پر اس عزت افزائی کے بہت شکرگزار تھے اور آئندہ بھی

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 3/3) لیے مدعو کیا گیا۔ انھوں نے سب سے پہلے
تو اس دعوت کے لیے سب کا شکریہ ادا کیا اور پھر
اساتذہ کی تعریف کی کیونکہ ان کی محنت ہی تھی جس کی
وجہ سے کالج میں اتنے اچھے نتائج آئے تھے۔ استاد کی
فضیلت بیان کرتے ہوئے ان کا ادب و احترام کرنے کی تاکید
کی اور بتایا کہ استاد ہونا نبی کا پیشہ ہے۔ آپ ﷺ ہی
استاد تھے اور پوری دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے
تھے۔

اس کے بعد انھوں نے طالب علم کی تعریفیں کیں اور انھیں
سراہا اور بتایا کہ نوجوان نسل ہی کسی قوم کا سب سے
قیمتی اثاثہ ہوتا ہے اور اس کے بعد انھوں نے یہ شعر
پڑھا

ع اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

سب نے تالیاں بجائیں اور اس طرح ان کی تقریر ختم ہوئی۔
اختتام تقریب پر سب کا شکریہ ادا کیا گیا اور مہمان
خصوصی کی چائے سے خاطر تواضع کی گئی اور اس طرح
تقریباً ۲ بجے ہم سب گھر جا چکے تھے۔ اگلے سال کی تقریب
کا بڑی بے صبری سے انتظار ہے اور امید ہے کہ انعام لینے والوں
میں شامل ہو جاؤں

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1/7)

"میرا پسندیدہ شاعر"

اک ابر نو بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا

تاریخ ان لوگوں کی سوانح عمری ہوتی ہے جو ایسے کارنامے انجام دے جاتے ہیں جو رہتی دنیا تک سب کو یاد رہ جاتے ہیں اور لوگ ان کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس ~~میں~~ میں بادشاہ، سپاہی، غرض کہ ہر طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ایسے شاعر بھی شامل ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے فکر و عمل سے دنیا کے اندھیروں کو دور کر دیا اور اقبال کا بس ہے۔ میرے پسندیدہ شاعر علامہ اقبال ہیں۔

علامہ اقبال ١٨٧٧ میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام نور محمد تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ جو بچہ ہے وہ ایک عظیم رہنما بنے گا۔ خیر طالب علمی کے زمانے میں اقبال نے میر حسن جیسے اساتذہ سے فیض پایا اور پروفیسر ~~آرنلڈ~~ آرنلڈ جیسے اساتذہ کی صحبت سے بہرہ مند ہوئے جنھوں نے ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا اور ان کے اندر کے شاعر کو اجاگر کیا۔ ١٩٠٥ میں یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس دوران شاعری بھی چلتی رہی جس میں کلاسیکی رنگ نمایاں تھا۔ سفر یورپ

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2/7) یورپ جانے سے پہلے وہ ایک عام سے
ہندوستانی نوجوان تھے جس کا خواب ہوتا ہے کہ یورپ
جیسے ترقی یافتہ ممالک سے تعلیم حاصل کرے۔ لیکن
جب اقبال یورپ گئے تو انھیں اس معاشرے کی تباہ
حالی کا احساس ہوا اور اس کے کھوکلے پن سے وہ حیران
ہو گئے۔

سفر سے واپسی پر انھوں نے اپنی شاعری کا موضوع ہی
تبدیل کر دیا اور قومیت پر زور دیا جس کی وجہ سے وہ
ہر دل عزیز تھے

→ چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اقبال کے مطابق نوجوان نسل کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ
ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تباہ حالی دیکھ کر اقبال بہت
افسردہ تھے۔ جس جگہ انھوں نے ہزار سال حکومت کی
اس سرزمین پر ان کی حالت غلاموں سے بدتر ہو گئی۔
مسلمانوں کی اس قدر پستی دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا
اور مسلمانوں کی زبانی اللہ سے شکوہ کر بیٹھے

→ رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
اور برق گرتی ہے تو بےچارے مسلمانوں پر

دو سال بعد اقبال نے اس کا جواب بھی لکھا جس
میں مسلمانوں اس حالت کے اصل اسباب بیان کر گئے
اور بتایا کہ یہ سب اس لیے ہے کہ آج کے مسلمان نے

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3/7) فائز کرتا تھا۔ صرف طاقتوں کی زینت بنا رکھا
ہے۔ مسلمانوں کے اندر سے ان کے آباؤ اجداد کے سارے
اوصاف مٹ چکے ہیں۔ انھی اوصاف کی وجہ سے ان کے آباؤ
اجداد دنیا پر حاکم تھے۔ اس کا ذکر علامہ اقبال نے کچھ
اس طرح کیا ہے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔

اُس وقت مسلمان ساری دنیا میں مغلوب تھے۔ عظیم
سلطنتِ عثمانیہ اپنی آخری سانس لے رہی تھی اور ۱۹۲۴ میں
مسلمانوں کی اس عظیم سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے
گئے اور اسے کئی ممالک میں تقسیم کر دیا گیا۔ مسلمانوں
میں اس سے بہت ہلچل مچ گئی۔ اقبال نے سمجھایا کہ یہ
سب اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے اتحاد ختم کر دیا تھا۔ اور
اب بھی اگر مسلمان متحد ہو جائیں تو وہ ایک ناقابل
تسخیر قوت بن سکتے ہیں جس سے ساری دنیا کانپ
جائے گی اور وہ ایک بار پھر سے دنیا کے حکمران ہوں گے
اس کی تاکید کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
[illegible]

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4/7) ~ بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

پہلے تو اقبال چاہتے تھے کہ برصغیر کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہیں لیکن آخر ان پر یہ عیاں ہو گیا کہ ایسا ممکن نہیں۔ مسلمان اور ہندو الگ الگ قومیں ہیں اور ایک وطن میں ان کا رہنا ناممکن ہے۔ ۱۹۳۰ میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے جلسے میں تاریخی خطاب کیا جس میں پاکستان کا خواب پیش کیا اور مسلمانوں کو ایک آزاد اسلامی ریاست بنانے کی تاکید کی۔ اور اس کے لیے قائد اعظم کو مسلمانوں کا راہنما بنایا۔

علامہ اقبال نوجوانوں پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ ان کے مطابق نوجوان ہی کسی قوم کی آزادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ نوجوان نسل اگر خوددار ہے تو اس قوم کو کوئی غلامی کی زنجیروں میں قید نہیں کر سکتا۔

~ اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

اقبال کے مطابق نوجوان اس وقت تک نہیں ابھر سکتے جب تک ان کے دلوں سے ڈر اور خوف کو ختم نہیں کیا جاتا۔ ان کے دلوں سے احساس کمتری کو ختم کرنا سب سے ضروری تھا جس کے بغیر کبھی بھی مسلمان ایک عظیم طاقت نہیں بن سکتے تھے۔

اقبال نے اپنی شاعری سے یہ کام لیا اور مسلمانوں

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 5/7)

کبھی اے نوجوان مسلم، تدبر بھی کیا ہے تونے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

غرض کہ اقبال وہ مسلمانوں کو پھر سے ~~مضبو~~ مضبوط دیکھنا چاہتے تھے اور نوجوانوں کو شاہین بنانا چاہتے تھے۔ ان کے مطابق شاہین ایک ایسا پرندہ ہے جو اونچی اڑان رکھتا ہے، اپنے راستے خود بناتا ہے، کسی کا شکار نہیں کھاتا، اپنا شکار خود کرتا ہے اور آسمان کی بلندیوں میں جانا اس کی منزل ہوتی ہے

تو شاہین ہے پرواز ہے کام ترا
ترے آگے آسماں اور بھی ہیں

اقبال اس قدر فصیح و بلیغ تھے کہ انھوں نے پورے دین ہی دو مصرعوں میں بیان کر ڈالا اور ساری امت مسلمہ پر یہ صاف واضح کر دیا کہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

گویا کہ اقبال چاہتے تھے کہ اللہ نے جو انھیں بصیرت عطا کی ہے وہ تمام لوگوں میں منتقل ہو جائے۔ تاکہ سب لوگ خود کو ~~سمجھ~~ پہچان سکیں اور اسلام کی خاطر اپنی خدمات انجام دے جائیں۔ اپنی اسی

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 6/7)

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو مری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

گویا یہ اقبال کے افکار ہی تھے جنھوں نے ان کی شان ظاہر کی۔ ان کو بجا طور پر شاعرِ مشرق، حکیم الامت اور نباضِ فطرت کہا جاتا ہے۔
اب کہ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے تو ہمارا کام ختم نہیں ہوا بلکہ اصل کام تو اب شروع ہوا ہے۔ جیسے اقبال نے کچھ اس طرح بیان کیا تھا۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ وہ دن تھا کہ جب اسلامی دنیا کا یہ چراغ بجھ گیا اور اپنی افکار کی شمع چھوڑ گیا۔ اس دن ساری دنیا آبدیدہ تھی۔ ایسے لوگ صدیوں میں ایک بار آتے ہیں۔ فلک گردشیں کر کر کے تھک جاتا ہے تب جا کہیں اقبال جیسے لال جنتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ شعر اقبال اپنے لیے ہی کہہ گئے تھے۔

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 7/7)